کے تحت حکومت کی تشکیل پر ہو گی، وہ فلسفہ سب مذاہب کے لئے یکساں ہی ہوگا۔
پاکستان بننے کے بعد جب اسلامی نظام کے سب سے بڑے علم بردار مولانا مودودی نے
کہا کہ

> پاکستان اسلامی ریاست کے مطالبہ کی بنا پر معرض وجود میں آیا تھا اس لئے اس ملک میں نظام اسلام قائم ہونا چاہئے۔ اس کے جواب میں اگر ہندو، بھارت کو ایک ہندو اسٹیٹ بنائیں تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

تو وہ فی الحقیقت، آر ایس ایس کے اس مطالبہ کی دیانت داری کے ساتھ حمایت
کر رہے تھے کہ ہندوستان میں ہندو حکومت ہو، اور ہندوؤں کی پسندیدہ تہذیب اور
ہندوؤں کی پسندیدہ زبان کے فروغ میں بالکل اسی طرح یہاں کی مسلم اقلیت کی
خواہشات رائے اور آواز کا کوئی دخل نہ ہو، جس طرح پاکستان میں وہ ہندو اقلیت
کی خواہشات، رائے اور آواز کا دخل پسند نہیں کرتے تھے۔ آج بھی پاکستان میں
نظام اسلام کے خاکہ میں رنگ بھرنے کی جو کوشش ہو رہی ہے۔ اس وہ صاف طور پر
کہتے ہیں کہ مجوزہ اسلامی حکومت میں غیر مسلم اقلیت کو ہر طرح کی آزادی اور امن
اور ان کے مفادات کا تحفظ حاصل ہوگا۔ لیکن کوئی کلیدی عہدہ اقلیتوں کو نہیں دیا
جا سکتا۔ بالکل اسی طرح اگر ہندوؤں کی نمائندہ بن کر آر ایس ایس یہ کہتا ہے کہ ہندوستان
میں ہندو، ہندی، ہندوستانی کے اصول پر ایسی حکومت بنے جس میں غیر ہندو اقلیت
کو کوئی کلیدی عہدہ نہ دیا جائے تو، ایک قومی نظریہ کا حامی کوئی مسلمان، اس کے
مطالبہ کی مخالفت نہیں کر سکتا، نہ اس مطالبہ کو قابل اعتراض ٹھیرا سکتا ہے—
اگر قابل اعتراض قرار دیتا ہے تو اسے دیانت دار نہیں کہا جا سکتا۔

لیکن اس زمرہ میں ہندوستان میں سب سے بڑی رکاوٹ یہاں کی اقلیتیں نہیں

ہیں، بلکہ خود ہندوؤں کی وہ قومی جماعتیں ہیں، جو یہاں کے مخصوص حالات، اور زیادہ صاف الفاظ میں، خود ہندو مذہب کے اپنے اندرونی نظریاتی اختلافات کی بنا پر مذہبی؟ سماجی نظام کو ناقابل عمل سمجھ کر، ہندوستان میں مذہبی ریاست کے قیام کے نظریہ کو مسترد کرتی ہیں، اور ہندوستان کے سیاسی نظام کو ایسی متحدہ قومیت کے فلسفہ کے ماتحت چلانا چاہتی ہیں جو کثیر القومی رنگوں سے گندھا ہوا ہو۔ ان کے اس موقف کی بنیاد اس حقیقت پر بھی ہے کہ ہندوستان میں ۸۰-۸۱ فیصدی ہندو اکثریت کی موجودگی میں ہندو کلچر اور تہذیب، اور ہندو سماج کی بیشتر خصوصیات کا غلبہ ایک منطقی اور ناگزیر بات ہے جس کے لئے فکرمندی کی کوئی بات ہی نہیں ہے، تاہم مذہبی تحکم اور مذہبی تسلط کا نظریہ، جس سے جو آر ایس ایس اور دوسری فرقہ وارانہ تنظیموں کو رہنمائی ملتی ہے، صرف اتنی فوقیت پر قانع نہیں۔ بلکہ وہ جارحیت کے ذریعہ بلا شرکت غیر معاشی اور سیاسی نظام پر حاکمیت اور ملوکیت سے کم کسی چیز پر رضامند نہیں۔ وہ اس سلسلہ میں تاریخی حقائق کو بھی مسخ کرنے اور اچھی اور قابل ذکر چیز پر بھی اپنا حق ملکیت ثابت کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتیں۔ یہ جو لال قلعہ اور تاج محل کو مغل تعمیرات کے بجائے ہندو تعمیرات ثابت کرنے کی باقاعدہ مہم چل رہی ہے۔ اس کے پیچھے یہی ذہنیت کارفرما ہے پھر تاریخ کی تحریف اور تلبیس کا یہ سلسلہ یہیں پر ختم نہیں ہوتا، بلکہ ایسے بھی مورخ پیدا ہوگئے ہیں، جو اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ سکندر اعظم کو راجہ پورس پر فتح حاصل نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ پورس نے سکندر اعظم کو ہرا دیا تھا، اور یہ بھی کہ شہاب الدین غوری کے ساتھ تراوڑی (پانی پت) کے میدان میں لڑائی کے نتیجہ میں پرتھی راج مارا نہیں گیا تھا بلکہ گرفتار ہو کر غزنی لے جایا گیا جہاں اس نے بر سر دربار، شہاب الدین غوری کو تیر مار کر ہلاک کر دیا۔

تحریر و تقریر کے اس محاذ پر، اس طرح کی تحقیقات، اور تاریخ کی تکذیب و تلبیس کی تردید کی کوئی سنجیدہ کوشش، موجود نہیں ہے۔ لوگ ان باتوں کو بے سروپا قرار دے، حقارت کے ساتھ نظر انداز کرنے کے سبب خاموش رہتے ہیں، کچھ لوگ، ان فرضی کہانیوں کے پھیلنے اور عوام کے ذہن و شعور میں راسخ ہونے کی مصلحت انگیز اجازت کے رویہ کے تحت خاموش رہتے ہیں اور بڑا حصہ وہ ہے، جو ان ساری کہانیوں پر یقین کرتا ہے، اور انھیں تاریخی حقائق کے نام پر قبول کرتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ رفتہ رفتہ ایک عام ذہن بنتا جا رہا ہے، جو مسلمانوں کی آمد کے بعد کے ان ہزار برسوں کو، جن میں کوئی ساڑھے سات سو سال ان کی حکومت بھی قائم رہی، ایک ایسا دور سمجھتا ہے جس میں ہندو تہذیب کی تباہی اور ہندوؤں کے عظیم الشان کارناموں، اور ہندو حکومتوں اور ہندو عمارتوں عبادت گاہوں، اور دوسرے آثار کی بربادی اور شکست و ریخت کے سوا کوئی کام نہیں کیا گیا۔

اس سلسلہ میں ہندوستانی سیاستدانوں اور حکمرانوں، اور دوسرے بیشتر دانشوروں کا یہ موقف کہ فرقہ وارانہ منافرت اور فرقہ وارانہ جارحیت کی بیشتر قدر داری انگریزی حکومت پر ہے، اس بنا پر صحیح نہیں سمجھا جا سکتا کہ آزادی کے بعد کے ۳۸ برسوں میں تعلیمی اور سماجی سطح پر انگریزی عہد کی پھوٹ ڈالو پالیسی کی اصلاح کے لئے ذرہ برابر بھی کوشش نہیں کی گئی، بلکہ اس کو اور زیادہ زہر آلود اور اشتعال انگیز بنانے کی کوشش اس حکومت کی سرپرستی میں ایک مہم کے طور پر انجام دی گئی، جو سیاسی سطح پر سیکولرزم کے علمبردار

کے ساتھ برسر پیکار تھی۔ اس مہم کے تحت ایک طرف تو نصابِ تعلیم میں ایسے اسباق شامل ہوئے جو یک طرفہ مذہبی تبلیغ اور اقلیتوں کے خلاف منافرت پھیلانے والی کہانیوں پر مشتمل تھے، دوسری طرف خود تعلیم اور تعلیم گاہوں کا مذہبی کردار ہی سرے سے باقی نہ رہا۔ اسی کے ساتھ اگر تعلیمی نظام سے باہر اخباروں اور کتابوں میں، تاریخی تحقیقات کے نام پر، ان مضامین کی اشاعت کو بھی شامل کرلیا جائے۔ جن کا واحد مقصد غیر ہندو اقلیتوں کی دل آزاری کے ساتھ ہندو قوم کو فخر و غرور کی ایک بنیاد فراہم کرنا تھا۔

ان چیزوں کا حاصل یہ نکلا کہ حکومت، سیاست، اور سماج فکری انتشار اور ذہنی خلفشار کے شکار ہو گئے، کہ سیکولر، غیر سیکولر، فرقہ پرست، قوم پرست، سوشلسٹ، غیر سوشلسٹ محاذوں اور عناصر کے درمیان کوئی حد بندی، اور امتیاز، کردار کے اعتبار سے موجود نہیں رہا ہے، صرف ظاہری نام اور نعرہ بازی باقی رہ گئی ہے۔